سیّد سلیمان ندوی

بشریٰ

[مولانا سیّد سلیمان ندوی ماضی قریب کے اُن اصحاب علم و دانش میں سے تھے جنہوں نے بھرپور علمی وادبی زندگی گزاری۔ اُنہوں نے مختلف موضوعات پر مستقل بالذات کتابوں کے ساتھ وقتاً فوقتاً متعدّد مقالات قلمبند کیے۔ ان میں سے بعض بار بار شائع ہوئے، مگر کچھ رسائل و جرائد کی جلدوں میں دب کر رہ گئے ہیں۔ اگرچہ دارالمصنّفین - اعظم گڑھ نے اُن کے مقالات کی ترتیب و تدوین کا کام شروع کیا تھا، مگر یہ ابھی تک مکمل نہیں ہو سکا۔ زیرِ نظر مقالہ مولانا سیّد سلیمان ندوی کی اُن تحریروں میں شامل ہے جو نسبتاً زیادہ شائع نہیں ہو سکیں۔ اس کی ایک اشاعت اُن کے مسترشد مولانا غلام محمد مرحوم کی طرف سے ذیلی سرخیوں کے اضافے کے ساتھ ماہنامہ "بینات" (کراچی) میں سامنے آئی تھی۔ یہ مفید اور فکر انگیز مقالہ معاصر مذکور کے شکریے کے ساتھ ماہنامہ "عالمِ اسلام اور عیسائیت" میں بالاقساط پیش کیا جا رہا ہے۔ مدیر]

اسلام

اسلام دُنیا میں خدا کا آخری پیغام ہے، وہ دنیا میں مذہب کی تکمیل ہے، وہ اپنے پیغمبر کے الفاظ میں دینِ اسلام کی عمارت کا آخری پتھر ہے، وہ فطرت ہے، اور فطرت کے مطابق ہے، وہ دنیا میں اس وقت صلح و امن کا جھنڈا اڑاتا آیا، جب دنیا خاک و خون میں لتھڑی ہوئی تھی، وہ اُس خدا کا منادی ہے جو رحم مجسّم، عدلِ مجسم، نیکی محض، خیر کل اور امن و امان ہے، وہ ظلم و ستم، بے اطمینانی و اضطراب، شک و شبہ کے طوفانوں سے بھاگ کر مامن و ماویٰ کے طلب گاروں کو ایک ہی پناہ کی جگہ بتاتا ہے۔

فَفِرُّوْا اِلَى اللهِ (۵۰:۵۱) ہر طرف سے بھاگ کر اللہ کی طرف جاؤ

مسیحی مبلغین کی نکتہ چینی

اس حقیقت کے باوجود یہ کس قدر افسوس ناک ہے کہ مسیحی مبلّغین اور یورپین مستشرقین نہایت فخر و غرور اور طعن و طنز کے ساتھ اسلام پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ اس نے خدا کا جو تخیّل اپنے پیروؤں کے سامنے پیش کیا ہے، وہ یہ ہے کہ وہ ایک جبّار، قہّار، پر غضب، صاحبِ جلال و جبروت

شاہنشاہ ہے جس سے ہمیشہ بندوں کو ڈرتے اور کانپتے رہنا چاہیے اور اسی تخیّل کا اثر اسلام کے تمام احکام میں نمایاں ہے، برخلاف اس کے عیسائی مذہب اس کو محبت، پیار، رحمت اور شفقت کے پیکر میں جلوہ گر کرتا ہے، اور اسی لیے اس کو "باپ" کے نام سے پکارتا ہے، اسی کا نتیجہ ہے کہ اس کی نصیحتوں میں نرمی اور رحم و کرم کا جذبہ غالب ہے۔

مستشرقین اسی اعتراض کو اس صورت میں پیش کرتے ہیں کہ چونکہ اسلام ایک جنگجو مذہب ہے، اس لیے اس کے تخیّل میں خدا کی جباری و قہاری اور غیظ و غضب کا تصور سب سے زیادہ ہے، اور اسلام کی یہی کمی تھی جس کو تصوّف نے آکر پورا کیا، اور بجائے اس کے کہ فقہاء کی طرح خدا کی اطاعت کا مبنیٰ خشیت اور خوفِ الٰہی کو قرار دیا جائے، انھوں نے خدا کے عشق و محبت کو قرار دیا۔

اسلام تخیّلی مذہب نہیں۔

ناآشنایانِ اسلام کو، اسلام کے متعلق بحث و کاوش کرتے ہوئے یہ نکتہ ہمیشہ پیش نظر رکھنا چاہیے کہ وہ محض تخیّلی اور خیال آرا مذہب نہیں ہے، بلکہ وہ اس عملی دنیا کا عملی مذہب ہے۔ دنیا میں کروڑوں انسان ہیں، ہر انسان کے پیچھے ہزاروں کام ہیں، اور انسان کے ہر کام کا تعلق دوسرے انسان سے ہے، ان دونوں انسانوں میں کوئی باہمی تعلق ایسا ہونا چاہیے جو ایک کو دوسرے سے پیوستہ کردے، ایک کو دوسرے کی طرف جھکا دے اور ایک کا رشتہ دوسرے کے ساتھ جوڑ دے، اس تعلق، اس پیوستگی اور اس رشتہ کو جو چیز پیدا کرتی اور قائم رکھتی ہے، وہ محبت اور خوف کا جذبہ ہے۔ اس کی تعبیر دوسرے الفاظ میں یہ ہے کہ وہ نفع کی طرف رغبت اور ضرر سے نفرت کا جذبہ ہے۔

محبت و خوف پر نظامِ عالم کا مدار ہے۔

غرض انسان کی تمام تحریکات کا سر بنیاد محبت و خوف، رغبتِ نفع اور نفرتِ ضرر ہے۔ خدا اور اس کی صفات کے متعلق انسان کے جو خیالات اور تصوّرات ہیں، وہ بھی اسی اصول کے ماتحت ہیں۔ وحشی اقوام کے مذہبی خیالات پر غور کرو تو معلوم ہوگا کہ وہ فطرت کے مناظر اور موجودات کی پرستش اسی اصول کے مطابق کرتے ہیں۔ بعض چیزوں سے وہ ڈرتے ہیں، تو وہ ان کی پوجا کرتے ہیں کہ ان کے ضرر سے محفوظ رہیں، بعض دوسری اشیاء کے لطف و کرم کے متوقع ہوتے ہیں کہ وہ ان کے منافع سے بہرہ اندوز ہوسکیں۔

اب عام انسانی معاملات، اور کاروبار پر غور کرو کہ انسان کی موجودہ فطرت کو پیش نظر رکھتے ہوئے کیا یہ ممکن ہے کہ دنیا کا یہ نظام، صرف محبت اور رغبت کے جذبات سے چل سکے؟ اگر ایک دن بھی دنیا کے بازاروں، سلطنتوں، دفاتر، اور قوموں اور جماعتوں کی مجلسوں اور سوسائٹیوں میں تنہا اس پر عمل

ہو تو نظام عالم درہم برہم ہو جائے اور اطاعت و فرمانبرداری کا جس پر تنظیم اور ضابطہ داری (ڈسپلن) کا دارومدار ہے، خاتمہ ہو جائے۔ اسی طرح اگر صرف نفرت و عداوت اور خوف و خشیت تمام تر عالم کے کاروبار میں دخیل ہو جائے تو یہ دنیا جہنم کا طبقہ بن جائے اور دلوں کی شگفتگی اور انبساط جو ہماری سرگرمیوں اور ولولوں کا مایۂ حیات ہے، دفعتہً فنا ہو جائے، اس لیے دنیا کے نظام ان دو گونہ جذبات کے بغیر کبھی قائم نہیں رہ سکتے اور انسان اپنے ہر عمل میں ان دونوں کے سہارے کا محتاج ہے۔

یہودیت و عیسائیت کی افراط و تفریط

اسلام سے پہلے جو آسمانی مذاہب قائم تھے، ان میں افراط و تفریط پیدا ہو گئی تھی، اور صراطِ مستقیم سے وہ تمام تر ہٹ گئے تھے، یہودی مذہب کی بناء سر تا پا خوف، خشیت اور سخت گیری پر تھی، اس کا خدا "فوجوں کا سپہ سالار" اور باپ کا بدلہ پشتہا پشت تک بیٹوں سے لینے والا تھا، یہودیت کے صحیفوں میں خدا کے رحم و کرم اور محبت و شفت کا ذکر شاذو نادر کہیں نظر آئے گا۔ اس کے برعکس عیسائیت تمام تر خدا کے رحم و کرم اور محبت و شفقت کے تذکروں سے معمور ہے، اس کے "اکلوتے بیٹے کا باپ" "تمام انسانوں کا باپ ہے، وہ اپنے "فرزندوں" کے جرم و خطا سے غضب ناک نہیں، بلکہ پشیماں اور متاسف ہوتا ہے۔

اسلام کی اعتدالی راہ

اس افراط و تفریط کا نتیجہ یہ ہے کہ یہودیت ایک خشک اور بے لذت مذہب بن گیا ہے اور عیسائیت اس قدر تر ہے کہ تردامنی اس کے نزدیک عیب نہیں، ایک گناہ گار عورت کو یہودیت سنگسار کرنے کا حکم دیتی ہے، لیکن عیسائیت صرف اسی قدر کہتی ہے "جو گناہ گار نہ ہو، وہ اس عورت کو پتھر مارے، اور اے عورت! جا، پھر ایسا نہ کرنا۔" اسلام تفصیل کرتا ہے، مجبور و مجنون و مدہوش وغیرہ مستثنیٰ ہیں، بے شوہر عورت اور بن بیوی کے مرد کو کوڑے مارے جائیں، شوہر والی عورت اور بیوی والا مرد سنگسار ہو گا۔ یہودی مذہب کسی باز پرس کے بغیر ہر حال میں مرد کو طلاق کی اجازت دیتا ہے، ملتِ عیسوی کسی حال میں طلاق کا فتوی جاری نہیں کرتی۔ اسلام اس کے متعلق تفصیلی احکام رکھتا ہے، غرض یہی حال اسلام کا تمام دیگر مسائل میں ہے کہ وہ عیسائیت اور یہودیت کے درمیان ہمیشہ بیچ کی راہ اختیار کرتا ہے اور یہی اسلام کی سب سے بڑی فضیلت ہے، قرآن کہتا ہے:

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ (۲:۱۴۳)

[اس طرح اے مسلمانو! ہم نے تم کو بیچ کی امت بنایا کہ لوگوں پر گواہ رہو۔]

یہی حال اعتقادیات کا ہے، وہ نہ تو خدا کو محض جبار، قہار، رب الافواج اور صرف بنی اسرائیل یا

بنی اسماعیل کا خدا مانتا ہے اور نہ اس کو مجسّم انسان، انسانوں کا باپ یا محمد ﷺ کا باپ سمجھتا ہے اور تنہا رحم و کرم اور محبت و شفقت کی صفت سے متصف کرتا ہے۔ وہ خدا کی نسبت یہ یقین رکھتا ہے کہ وہ اپنے بندوں پر قاہر بھی ہے اور رحمٰن و کریم بھی ہے۔ وہ منتقم اور شدالعقاب بھی ہے اور غفور و رحیم بھی ہے، وہ اپنے بندوں کو سزا بھی دیتا ہے اور پیار بھی کرتا ہے، بگاڑتا بھی ہے اور نوازتا بھی ہے، نفع اور نقصان دونوں اسی کے ہاتھ میں ہیں، اس سے ڈرنا بھی چاہیے اور اس سے محبت بھی کرنی چاہیے۔

اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ۝ وَلَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّ طَمَعًا اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ (۷:۵۵-۵۶)

[(لوگو!) اپنے پروردگار کو گڑگڑا کر، چپکے چپکے پکارا کرو، وہ حد سے بڑھ جانے والوں کو پیار نہیں کرتا اور زمین میں اس کی درستی کے بعد فساد نہ پھیلاؤ۔ اور اس (اس کے عذاب) سے ڈرتے ہوئے اور (اس کے فضل و کرم کی) لولگاتے ہوئے پکارا کرو۔]

اس سے زیادہ پر لطف یہ ہے کہ اسلام خدا سے لوگوں کو ڈراتا ہے، مگر اس کو جبار اور قہار کہہ کر نہیں، بلکہ مہربان اور رحیم کہہ کر۔ خدا کے سعید بندوں کی صفت یہ ہے کہ

وَخَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ (۳۶:۱۱) [اور رحم کرنے والے سے بن دیکھے ڈرا۔]

مَنْ خَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ (۵۰:۳۳)

[اور جو رحم کرنے والے سے بن دیکھے ڈرا۔]

نہ صرف انسان بلکہ تمام کائنات کی زبانیں اس کے سامنے گنگ ہیں۔

وَخَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ (۲۰:۱۰۸)

[اور رحم والے کے ادب سے تمام آوازیں پست ہو گئیں۔]

رسول اللہ ﷺ کی جامعیتِ کبریٰ

کسی حسین اور محبوب چیز کی نسبت، اگر اس کے عاشقوں اور محبت کرنے والوں سے پوچھا جائے کہ اس کی کون سی ادا تم کو پسند آئی، اس کے کس حصّہ میں تم کو حسن و جمال کا مظہر نظر آتا ہے؟ اس کے کس حسن و خوبی نے تم کو فریفتہ کیا ہے؟ تو یقیناً پوری جماعت کا ایک ہی جواب نہ ہوگا، کوئی کسی حصّہ کا نام لے گا، کوئی کسی ادا کی تعریف کرے گا، کوئی کسی خوبی کا اپنے کو شیدا بتائے گا، اسی طرح دنیا میں جو پیغمبر آئے وہ کئی قسم کے تھے، ایک وہ جن کی آنکھوں کے سامنے خدا کے صرف جلال و کبریائی کا جلوہ تھا، اور اس لیے وہ صرف خدا کے خوف و خشیت کی تعلیم دیتے تھے۔ مثلاً حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام، دوسرے وہ جو محبتِ الٰہی میں سرشار تھے اور وہ لوگوں کو اسی خمخانۂ عشق کی طرف بلاتے تھے، مثلاً حضرت یحییٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام۔

لیکن پیغمبروں میں ایک ہستی آئی جو برزخِ کبریٰ، منبع جلال و جمال اور جامع مستی و ہوشیاری تھی، یعنی محمد ﷺ۔ ایک طرف آپ کی آنکھیں خوفِ الہیٰ سے اشک آلود رہتی تھیں، دوسری طرف آپ کا دل خدا کی محبت اور رحم و کرم سے مسرور تھا، کبھی ایسا ہوتا کہ ایک ہی وقت میں یہ دونوں منظر لوگوں کو نظر آجاتے، چنانچہ جب راتوں کو آپ شوق وولولہ کے عالم میں نماز کے لیے کھڑے ہوتے، قرآن مجید کی لمبی لمبی سورتیں زبان مبارک پر ہوتیں، ہر قسم اور ہر معنی کی آیتیں گزرتی جاتیں، جب کوئی خوف و خشیت کی آیت آتی، پناہ مانگتے اور جب کوئی مہر و محبت اور رحم و بشارت کی آیت آتی تو اس کے حصول کی دعا مانگتے۔ (مسند ابن حنبل، جلد ۶، ص ۹۳)

اسلام خوف و امید کی درمیانی شاہراہ ہے۔

الغرض اسلام کا نصب العین یہ ہے کہ خوف و خشیت اور رحم و محبت کے بیچ کی شاہراہ میں انسانوں کو کھڑا کرے، اسی لیے کہا گیا ہے کہ الایمان بین الخوف والرجاء (ایمان کامل خوف اور اُمید کے درمیان ہے) کہ تنہا خوف، خدا کے رحم و کرم سے نااُمید اور محض رحم و کرم پر بھروسہ لوگوں کو خود سر اور گستاخ بنا دیتا ہے، جیسا کہ اس عملی دنیا کے روزانہ کے کاروبار میں ہم کو تم کو سب کو نظر آتا ہے اور مذہبی حیثیت سے عملاً اس کے نتائج کا مشاہدہ یہودیوں اور عیسائیوں میں کیا جا سکتا ہے کہ ایک نااُمید محض، اور دوسرا سر تا پا امید ہے۔

اسلامی دائرے کی وسعت

عیسائیوں نے خدا سے اپنا رشتہ جوڑا، اور اپنے کو "فرزند الہیٰ" کا لقب دیا، بعض یہودی فرقوں نے بنی اسرائیل کو خدا کا خانوادہ اور محبوب ٹھہرایا، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے جوڑ پر، حضرت عزیر علیہ السلام کو "فرزند الہیٰ" کا رتبہ دیا، لیکن اسلام یہ شرف کسی مخصوص خاندان یا خاص قوم کو عطا نہیں کرتا، بلکہ وہ تمام انسانوں کو بندگی اور اطاعت کی ایک سطح پر لا کھڑا کرتا ہے، مسلمانوں کے مقابلہ میں یہودیوں اور عیسائیوں دونوں کو دعویٰ تھا۔

نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَ اَحِبَّآؤُهٗ (۱۸:۵) [ہم خدا کے بیٹے اور چہیتے ہیں۔]

قرآن مجید نے اس کے جواب میں کہا۔

قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ (۱۸:۵)

[اگر ایسا ہے تو خدا تم کو تمہارے گناہوں کے عذاب کیوں دیتا ہے، اس لیے تمہارا دعویٰ صحیح نہیں، بلکہ تم بھی انہیں انسانوں میں سے ہو جن کو اس نے پیدا کیا۔]

دوسری جگہ قرآن نے تنہا یہودیوں کے جواب میں کہا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ هَادُوْٓا اِنْ زَعَمْتُمْ اَنَّكُمْ اَوْلِيَآءُ لِلّٰهِ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ (۶:۶۲)

[اے وہ جو یہودی ہو، اگر تم اپنے اس خیال میں سچے ہو کہ تمام انسانوں کو چھوڑ کر تم ہی خدا کے چہیتے ہو تو موت (یعنی خدا کی ملاقات) کی تمنا کیوں نہیں کرتے۔]

اسلام، رحمت الٰہی کے تنگ دائرہ کو کسی خاندان اور قوم تک محدود نہیں رکھتا، بلکہ وہ اس کی وسعت میں انسانوں کی ہر برادری کو داخل کرتا ہے۔ ایک شخص نے مسجد نبوی میں آکر دعا کی کہ "خدایا! مجھ کو اور محمد ﷺ کو مغفرت عطا کر۔" آپ نے فرمایا۔ "خدا کی وسیع رحمت کو تم نے تنگ کر دیا۔" ایک اور اعرابی نے مسجد میں دعا مانگی کہ "خدایا! مجھ پر اور محمد ﷺ پر رحمت بھیج اور ہماری رحمت میں کسی کو شریک نہ کر۔" آپ ﷺ نے صحابہؓ کی طرف خطاب کر کے فرمایا "یہ زیادہ گمراہ ہے یا اس کا اونٹ۔"

خدائے اسلام سے متعلق عیسائیوں کی غلط فہمی

اسلام کے متعلق عیسائیوں نے جو غلط فہمی پھیلا رکھی ہے کہ اس کا خدا رحم و کرم، اور محبت اور پیار کے اوصاف سے معریٰ ہے، اس غلط فہمی کا سبب یہ ہے کہ اسلام، عیسائیت کی اس اصطلاح اور طرزِ ادا کو سخت ناپسند کرتا ہے جس کے ذریعہ سے وہ خدا کے ان اوصاف کو نمایاں کرتی ہے، یعنی باپ اور بیٹے کا لفظ کہ اس سے گمراہی پھیلتی ہے، یہ گمراہی کچھ عیسائیوں ہی کے ساتھ مخصوص نہیں، بلکہ اور دوسرے فرقے بھی اس غلطی میں مبتلا ہیں۔

اصل یہ ہے کہ خدا اور بندہ کے باہمی مہر و محبت کے جذبات کو یہ فرقے اپنی بولی میں نمایاں کرنا چاہتے ہیں۔ یہ جذبات انسانوں کے اندر باہمی رشتوں کے ذریعہ سے نمایاں ہوتے ہیں۔ اس بنا پر بعض نادان فرقوں نے اس طریقۂ ادا کو خالق و مخلوق کے ربط و تعلق کو ظاہر کرنے کے لیے بہترین اسلوب سمجھا، چنانچہ کسی نے خالق اور مخلوق کے درمیان باپ اور بیٹے کا تعلق پیدا کیا جیسا کہ عیسائیوں میں ہے، دوسرے نے ماں کی محبت کا بڑا درجہ سمجھا، اُس نے اس تعلق کو، ماں اور بیٹے کی اصطلاح سے واضح کیا اور دیبیاں انسانوں کی ماتائیں بنیں، جیسا کہ ہندوؤں کا عام مذہبی تخیل ہے، خاص ہندوستان کی خاک میں زن و شو کی باہمی محبت کا امتیازی خاصہ ہے جس کی نظیر دوسرے ملکوں میں نہیں مل سکتی ہے۔ اس کی نگاہ میں محبت کا اس سے زیادہ پر اثر منظر اور ناقابل شکست پیمان کوئی دوسرا نہیں، اس لیے یہاں کے بعض فرقوں میں خالق و مخلوق کی باہمی محبت کے تعلق کو زن و شو کی اصطلاح سے ادا کیا جاتا ہے، سدا سہاگ فقراء اس تخیل کی مضحکہ انگیز تصویر ہیں۔

انتہائی ضلالت

دیکھو! یہ تمام فرقے جنہوں نے خدا اور بندہ کے تعلق کو جسمانی اور مادی رشتوں کے ذریعہ ادا کرنا چاہا، وہ کس قدر راہ سے بھٹک گئے، اور لفظ کے ظاہری استعمال نے نہ صرف ان کے عوام کو بلکہ خواص تک کو گمراہ کر دیا اور لفظ کی اصلی روح کو چھوڑ کر جسمانیت کے ظاہری مغالطوں میں گرفتار ہو گئے، عیسائیوں نے واقعی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بیٹا سمجھ لیا، ہندوستان کے بیٹوں نے ماتاؤں کی پوجا شروع کر دی، سدا سہاگ فقیروں نے چوڑیاں اور ساڑھیاں پہن لیں اور خدائے قادر سے شوخیاں کرنے لگے۔ اسی لیے اسلام نے جو توحیدِ خالص کا مبلغ تھا، ان جسمانی اصطلاحات کی سخت مخالفت کی اور خدا کے لیے ان الفاظ کا استعمال اس نے ضلالت اور گمراہی قرار دیا، لیکن وہ ان الفاظ کے اصلی معنی اور منشاء کو، اور اس مجاز کے پردہ میں جو حقیقت مستور ہے اس کا انکار نہیں کرتا، بلکہ وہ ان جسمانی معنوں کو خالق و مخلوق اور عبد و معبود کے ربط و تعلق کے اظہار کے لیے ناکافی اور غیر مکمل سمجھتا ہے اور ان سے بھی زیادہ وسیع معنی کا طالب ہے۔

فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا (۲:۲۰۰)

[تم خدا کو اس طرح یاد کرو جس طرح اپنے باپوں کو یاد کرتے ہو بلکہ اس سے بھی زیادہ یاد کرو۔]

دیکھو! کہ باپ کی طرح کی محبت کو وہ اپنے پروردگار کی محبت کے لیے ناکافی قرار دیتا ہے اور عبد و معبود کے درمیان محبت کے رشتہ کو اس سے اور زیادہ مضبوط کرنا چاہتا ہے۔

خدا کا پاکیزہ اور برتر اسلامی تصوّر

الغرض رحم و محبت کے اس جسمانی طریقۂ تعبیر کی مخالفت سے یہ لازم نہیں آتا کہ اسلام سرے سے خالق و مخلوق اور عبد و معبود کے درمیان محبت اور پیار کے جذبات سے خالی ہے، اتنا کون نہیں سمجھتا کہ مذہب کی تعلیمات ان کی بولی میں اتری ہیں، ان کے تمام خیالات اور تصورات اسی مادی اور جسمانی ماحول کا عکس ہیں، اس لیے ان کے ذہن میں کسی غیر مادی اور غیر جسمانی ذات کا تصوّر مادی اور جسمانی تصوّر کی وساطت کے بغیر براہ راست پیدا نہیں ہو سکتا اور نہ اس کے لیے ان کے لغت کا کوئی ایسا لفظ مل سکتا ہے جو غیر مادی اور غیر جسمانی مفہوم کو اس قدر منزہ اور بلند طریقے سے بیان کرے جس میں مادیت اور جسمانیت کا مطلق شائبہ نہ ہو، انسان ان دیکھی چیزوں کا تصوّر، صرف دیکھی ہوئی چیزوں کی تشبیہ سے پیدا کرتا ہے اور اس طرح اُن ان دیکھی چیزوں کا ایک دھندلا سا عکس ذہن کے آئینہ میں اتر جاتا ہے۔

اُس "ان دیکھی ہستی" کی ذات و صفات کے متعلق، جس کو تم خدا کہتے ہو، ہر مذہب میں ایک

تخیل ہے، غور سے دیکھو تو معلوم ہو گا کہ یہ تخیل بھی اس مذہب کے پیروؤں کے گردوپیش کی اشیاء سے ماخوذ ہے، لیکن ایک بلند تر اور کامل تر مذہب کا کام یہ ہے کہ وہ اس تخیل کو مادیت، جسمانیت اور انسانیت کی آلائشوں سے اس حد تک پاک و منزہ کر دے، جہاں تک بنی نوع انسان کے لیے ممکن ہے۔ خدا کے متعلق باپ، ماں اور شوہر کا تخیل اس درجہ مادی، جسمانی اور انسانی ہے کہ اس تخیل کے معتقد ناممکن ہے کہ خالص توحید کے صراطِ مستقیم پر قائم رہ سکیں، جیسا کہ تم علانیہ دیکھ رہے ہو۔ اس لیے اسلام نے یہ کیا کہ ان مادی تعلقات اور جسمانی رشتوں کے الفاظ کو خالق و مخلوق کے اظہار ربط و تعلق کے باب میں یک قلم ترک کر دیا، بلکہ ان کا استعمال بھی شرک و کفر قرار دیا، تاہم چونکہ حقائق روحانی کا اظہار بھی انسانوں ہی کی مادی بولی میں کرنا ہے، اس لیے اس نے جسمانی و مادی رشتہ کے ان جذبات و احساسات اور عواطف کو خالق و مخلوق کے تعلقاتِ مابین کے اظہار کے لیے مستعار لے لیا، جن کا اظہار دوسرے مذاہب نے، ان رشتوں کے ذریعے کرنا چاہا تھا، اور اس طرح خالق و مخلوق کے درمیان کوئی جسمانی رشتہ قائم کیے بغیر ربط و تعلق کا اظہار اس نے کیا، اور انسانوں کو استعمالات کی لفظی غلطی سے جو گمراہیاں پہلے پیش آ چکی تھیں، ان سے ان کو محفوظ رکھا۔

ہر زبان میں اس خالق ہستی کی ذات کی تعبیر کے لیے کچھ نہ کچھ الفاظ ہیں جن کو کسی خاص تخیل اور نصب العین کی بنا پر مختلف قوموں نے اختیار کیا ہے اور گو ان کی حیثیت اب علم اور نام کی ہے، تاہم وہ درحقیقت پہلے پہل کسی نہ کسی وصف کو پیشِ نظر رکھ کر استعمال کیے گئے ہیں، ہر قوم نے اس علم اور نام کے لیے اسی وصف کو پسند فرمایا ہے جو اس کے نزدیک اس خالق ہستی کی سب سے بڑی اور سب سے ممتاز صفت ہو سکتی تھی۔

اللہ یعنی من موہن

اسلام نے خالق کے لیے جو نام اور علم اختیار کیا ہے وہ لفظ اللہ ہے۔ اللہ کا لفظ اصل میں کس لفظ سے نکلا ہے، اس میں اہل لغت کا یقیناً اختلاف ہے، مگر ایک گروہ کثیر کا یہ خیال ہے کہ یہ ولاہ سے نکلا ہے، ولاہ اور ولہ کے اصل معنی عربی میں اس "غم"، "محبت" اور "تعلق خاطر" کے ہیں جو ماں کو اپنی اولاد کے ساتھ ہوتا ہے، اسی سے بعد کو مطلق عشق و محبت کے معنی پیدا ہو گئے اور اسی سے ہماری زبان میں لفظ والہ (شیدا) مستعمل ہے، اسی لیے اللہ کے معنی "محبوب اور پیارے" کے ہیں، جس کے عشق و محبت میں نہ صرف انسان، بلکہ کائنات کے دل سرگرداں، متحیر اور پریشان ہیں۔ حضرت مولانا شاہ فضل رحمن گنج مراد آبادی قرآن مجید کی آیتوں کے ترجمے اکثر ہندی میں فرمایا کرتے تھے، اللہ کا ترجمہ وہ ہندی میں "من موہن" یعنی "دلوں کا محبوب" کیا کرتے تھے۔

رحمان ورحیم

قرآن مجید کھولنے کے ساتھ ہی خدا کی جن صفتوں پر سب سے پہلے نگاہ پڑتی ہے، وہ "رحمان" اور "رحیم" ہیں۔ ان دو لفظوں کے تقریباً ایک ہی معنی ہیں، یعنی "رحم والا"، "مہربان"، "لطف و کرم والا" اور پھر یہی اوصاف بسم اللہ الرحمن الرحیم (محبوب، مہربان، رحم والا) قرآن مجید کے ہر سورہ کے آغاز میں پڑھنے کی تاکید کی گئی ہے، ہر نماز میں کئی کئی دفعہ ان کی تکرار ہوتی ہے، کیا اس سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کے متعلق اسلام کے تخیل کو واضح کرنے کے لیے کوئی دلیل مطلوب ہے۔— لفظ اللہ کے بعد اسلام کی زبان میں خدا کا دوسرا علم یہی لفظ "رحمان" ہے، جو رحم و کرم اور لطف و مہر کے معنی میں صفت مبالغہ کا لفظ ہے۔

قُلِ ادْعُوا اللّٰہَ اَوِادْعُوا الرَّحْمٰنَ اَیًّامَّا تَدْعُوْا فَلَہُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی (۱۷:۱۱)

[اس کو محبوب کہو یا مہربان کہو، جو کہہ کر اس کو پکارو، اس کے سب ہی نام اچھے ہیں۔]

قرآن مجید نے لفظ بسم اللہ الرحمن الرحیم کی صدہا بار کی تکرار کو چھوڑ کر ۵۳ موقعوں پر خدا کو اس نام سے پکارا ہے۔

اسمائے الٰہیہ میں بڑی تعداد جمالی اسماء کی ہے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کے بیسیوں اوصافی نام ہیں، احادیث میں اس کے ننانوے نام گنائے گئے ہیں، ان ناموں میں اللہ تعالیٰ کے ہر قسم کے جلالی و جمالی اوصاف آ گئے ہیں، لیکن استقصاء کرو تو معلوم ہوگا کہ ان میں بڑی تعداد انھیں ناموں کی ہے جن میں اللہ تعالیٰ کے لطف و کرم اور مہر و محبت کا اظہار ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ایک نام، ایک وصف الودود (سورہ ذات البروج) آیا ہے، جس کے معنی "محبوب" اور "پیارے" کے ہیں، کہ وہ سرتاپا مہر و محبت اور عشق اور پیار ہے، اس کے سوا خدا کا ایک اور نام الولی ہے جس کے لفظی معنی "یار" اور "دوست" کے ہیں۔ خدا کا ایک اور نام قرآن مجید میں بار بار استعمال ہوا ہے وہ الرؤف ہے، رؤف کا لفظ "رأفت" سے نکلا ہے اور رأفت کے معنی اس محبت اور تعلقِ خاطر کے ہیں جو باپ کو اپنی اولاد سے ہوتا ہے۔ اسی طرح خدا کے لیے قرآن مجید میں ایک اور نام حنّان آیا ہے جو "حن" سے مشتق ہے، حن اور حنین اس سوزِ دل اور محبت کو کہتے ہیں جو ماں کو اپنی اولاد سے ہوتی ہے۔ یہ الفاظ ان مجازی اور مستعار معانی کو ظاہر کرتے ہیں جو اسلام نے خالق و مخلوق اور عبد و معبود کے ربط و تعلق کے اظہار کے لیے اختیار کیے ہیں۔ دیکھو کہ وہ ان رشتوں کا نام نہیں لیتا ہے، لیکن ان رشتوں کے درمیان محبت اور پیار کے جو خاص جذبات ہیں ان کو خدا کے لیے بے تکلف استعمال کرتا ہے، اس طرح مادیت اور جسمانیت کا تخیل آئے بغیر وہ ان

روحانی معانی کی تلقین کر رہا ہے۔

ان کے علاوہ قرآن مجید اور احادیثِ صحیحہ میں اللہ تعالیٰ کے جو اسماء اور صفات مذکور ہیں، ان کو بھی اس موقع پر پیش نظر رکھنا چاہیے۔ اس کا نام غفار (بخشش کرنے والا)، غفور (بخشنے والا)، سلام (امن و سلامتی) ہے کہ وہ سرتاپا اپنے بندوں کے لیے بے پناہ امن اور سلامتی ہے، پھر وہ مؤمن (امن دینے والا) ہے، وہ العدل یعنی سرتاپا انصاف ہے، العفو (معاف کرنے والا) ہے، الوھاب (عطا کرنے والا)، الحلیم (بردبار)، الصبور (بندوں کی گستاخیوں پر صبر کرنے والا)، التواب (بندوں کے حال پر رجوع ہونے والا)، البر (نیک اور مجسم خیر) اور المقسط (منصف اور عادل) ہے۔ ان میں ہر لفظ پر ٹھہر کر ذرا غور کرو کہ اسلام کا تخیل کس قدر بلند اور برتر ہے۔

(جاری ہے)

اعتذار

"عالم اسلام اور عیسائیت" کے شمارہ جنوری ۱۹۹۷ء میں اعلان کیا گیا تھا کہ فروری اور مارچ ۱۹۹۷ء کا مشترک شمارہ فلپائن میں مسلم - مسیحی روابط کے جائزے پر مشتمل ہوگا۔ افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ مناسب مصادر کی عدم دستیابی کے باعث اِس شمارے کی ترتیب میں تعویق ہوگئی ہے، ان شاء اللہ یہ اہم شمارہ جلد ہی پیش کیا جائے گا۔

ہم اپنے قارئین سے معذرت خواہ ہیں کہ اُنہیں انتظار کرنا پڑ رہا ہے۔ مدیر